تمہارا سب سے بڑا عزیز اور دوست خدا تعالیٰ ہے۔ اس لیے تم اسی کے سامنے جھکو اور اسی سے مدد طلب کرو

(فرمودہ 20 مارچ 1953ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

"انسان خوشی میں بھی اور رنج میں بھی، راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی ہمیشہ ہی اپنے عزیزوں اور دوستوں کی طرف دوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیکھو! جب شادیاں ہوتی ہیں تو سارے رشتہ دار اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ موتیں ہوتی ہیں تب بھی سارے رشتہ دار اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ لیکن عام حالات میں لوگ اپنے اپنے گھروں میں کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی خوشی میں بھی اپنے عزیزوں کو شامل کرے اور اپنے رنج میں بھی اپنے عزیزوں کو شامل کرے۔ اور جو شخص بھی فطرت کے اس مسئلہ کے خلاف چلتا ہے اُس کے متعلق ماننا پڑے گا کہ جس قدر حصہ میں وہ فطرت کے اُصول سے خلاف کرتا ہے اُسی قدر اُس کی فطرت مر چکی ہے۔ بچے کھیلتے ہیں تو انہیں اگر کوئی ٹوٹی ہوئی ٹھیکری بھی مل جائے اور وہ انہیں پسند آ جائے تو وہ اُسے پکڑ کر گھر کی طرف دوڑتے ہیں اور ماں سے کہتے ہیں اماں! ہمیں یہ چیز ملی ہے۔ یا اگر انہیں شیشہ کا کوئی ٹکڑا مل جائے اور وہ پسند آ جائے تو وہ اُسے گھر لے آتے ہیں اور ماں سے کہتے ہیں اماں! ہمیں یہ شیشے کا ٹکڑا

ملا ہے۔حالانکہ ماں کو بتانے سے اُس چیز کی عظمت نہیں بڑھ جاتی۔صرف اس لیے کہ فطرت کہتی ہے کہ خوشی کے وقت میں ماں کو بھی شامل کرنا چاہیے بچہ اپنی خوشی میں اپنی ماں کو بھی شریک کر لیتا ہے۔پھر بچے کو کوئی مارتا ہے تو اُس وقت بھی وہ دوڑتا ہوا گھر آتا ہے۔بسا اوقات مارنے والا بہت بڑی شان کا ہوتا ہے اور ماں بے چاری غریب اور مزدور پیشہ ہوتی ہے لیکن ایک بچہ کے لیے تو وہی سب سے بڑی ہوتی ہے۔وہ اُس وقت بھی اسی کے پاس فریاد کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی ماں اس کے غم میں شریک ہوگی اور شاید (بلکہ بچے کے نزدیک یقیناً) وہ اس کے غم کو دور کرنے کی کوشش کرے گی۔سو جہاں حقیقی تعلق ہوتا ہے وہاں خوشی میں بھی اور رنج میں بھی انسان اپنے عزیزوں اور دوستوں کے پاس جاتا ہے اور اگر کوئی فطرت کے اس قانون کے خلاف کرتا ہے اور وہ خوشی اور رنج کے وقت اپنے عزیزوں کے پاس نہیں جاتا تو یہ اُس کے جنون اور دیوانگی کی علامت ہوگی۔مثلاً اگر بچہ دیوانہ ہے یا نیم دیوانہ ہے تو وہ نہ خوشی میں اپنی ماں کو شریک کرے گا اور نہ رنج میں اس سے مدد حاصل کرے گا۔اسی طرح ایک مجنون اور دیوانہ انسان خوشی اور رنج کے وقت اپنے عزیزوں کے پاس نہیں جاتا۔لیکن ایک تندرست اور صحیح الدماغ انسان خوشی اور رنج میں ہمیشہ اپنے عزیزوں کے پاس ہی پہنچتا ہے۔اور پھر صحیح الدماغ اور تندرست عزیز بھی ہمیشہ اُس کی مدد کرتے ہیں۔

یہی فلسفہ دعا کا ہے۔انسان کا سب سے بڑا عزیز خدا تعالیٰ ہے اور جب انسان کو کوئی خوشی پہنچتی ہے تو جو سچی فطرت والا انسان ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اس نے سمجھا ہوا ہوتا ہے وہ بے اختیار خدا تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے اور کہتا ہے **اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ،اَلْحَمْدُلِلّٰهِ** کیا ہے؟ اِسی امر کا اظہار ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ آخر یہ چیز میرا خیر خواہ اور دوست ہی مجھے دے سکتا ہے۔اسے بیٹا ملتا ہے یا نیا عہدہ ملتا ہے یا مال ملتا ہے یا جائیداد ملتی ہے یا ترقی ملتی ہے یا عزت اور شہرت ملتی ہے یا کوئی اچھا کام کرنے کی توفیق ملتی ہے تو انسان کی فطرت کہتی ہے کہ آخر اُسے یہ چیز ملی ہے تو کسی دوست سے ہی ملی ہے۔دشمن تو یہ چیز نہیں دیا کرتا اور اگر قانون یہ ہے کہ تحفہ خیر خواہ دوست ہی دیا کرتا ہے تو معاً اس کی فطرت کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ سے بڑا کون خیر خواہ اور دوست ہوسکتا ہے۔اس لیے بے اختیار اس کے منہ سے **اَلْحَمْدُلِلّٰهِ** نکلتا ہے۔پھر جب کوئی رنج انسان کو پہنچتا ہے تو فطرت کہتی ہے میرے اندر آخر کوئی کمزوری تھی تبھی تو مجھے یہ دکھ پہنچا۔اگر میں طاقتور ہوتا تو یہ دکھ کیوں پہنچتا۔اب اس دکھ کو کوئی طاقتور ہی دور کر سکتا ہے۔

رنج ہمیشہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی بیرونی طاقت مدد کرے۔ اور جب انسانی ذہن کو فطرت اس طرف لے جاتی ہے کہ اب کوئی غیر طاقت ہی مدد کرے تو کرے، تو معاً اُس کا دل ادھر مائل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو اس دکھ کو دور کرے۔ اور وہ کہتا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ میں اللہ تعالیٰ کا ہی ہوں اور میں اُسی سے مدد مانگتا ہوں۔ اُس کے سوا اور کون ہوسکتا ہے جو میری مدد کرے۔ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے یہ بھی معنے ہیں کہ آخر ہم نے بھی اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ اگر ہم نے لوٹنا ہے تو خدا تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اگر ہم نے گریہ وزاری کرنی ہے تو اُس کے سامنے ہی کرنی ہے۔

پس اسلام نے یہ دونوں سبق فطرت کے تقاضا کے عین مطابق دیئے ہیں۔ کامیابی کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہو [1] اگر تمہاری فطرتِ صحیحہ ہے اور تمہارے دماغ پر جنون اور دیوانگی طاری نہیں اور تمہیں جب بھی خوشی پہنچی ہے تم عزیزوں کی طرف لَوٹتے ہو۔ لیکن یاد رکھو تمہارا سب سے بڑا عزیز خدا تعالیٰ ہے۔ اگر تمہیں کوئی خوشی پہنچی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی پہنچی ہے۔ اِسی طرح جب کوئی رنج پہنچتا ہے تو یہ انسان کی کمزوری کی علامت ہوتا ہے۔ اس لیے وہ خود اسے دور نہیں کرسکتا۔ وہ طبعاً یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے دوست اور عزیز اُس کی مدد کریں۔ مگر یاد رکھو تمہارا سب سے بڑا عزیز اور دوست خدا تعالیٰ ہے۔ تم اُس کے سامنے جھکو اور اُسی سے مدد طلب کرو۔ جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سبق پر عمل کرتے ہیں وہ ناکام ونامراد نہیں رہتے۔ ناکام ونامراد وہی ہوتا ہے جو غیر طبعی فعل کرتا ہے۔ مثلاً رات کو ڈاکہ پڑتا ہے تو عقلمند شخص اپنے عزیزوں اور دوستوں کے پاس جاتا ہے۔ اور اُن سے مدد طلب کرتا ہے۔ لیکن بے وقوف انسان دوڑ کر جنگل کی طرف چلا جاتا ہے۔ حالانکہ جنگل میں اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اِسی طرح روحانی دنیا میں ایک عقلمند انسان تو خدا تعالیٰ کی طرف جاتا ہے۔ لیکن بے وقوف یونہی ہائے اماں! ہائے اماں! کہتا رہتا ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اماں نے کیا کرنا ہے۔ جو کچھ کرنا ہے خدا تعالیٰ نے کرنا ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے پاس جاتا نہیں۔ وہ اس کے پاس جاتا ہے جو کچھ نہیں کرسکتا۔ پس جماعت کے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی کو اُس طریق پر چلائیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے۔

یاد رکھو! اسلام سب سے زیادہ کامل مذہب اور اعلیٰ تعلیم دینے والا دین ہے۔ ہماری خوش قسمتی

ہے کہ ہم عیسائی اور ہندو نہیں تھے کہ ہم عیسائیت اور ہندو مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمانوں کے گھر میں پیدا کر دیا۔ اور اس طرح سب سے بڑا قدم جو ہم نے چلنا تھا خدا تعالیٰ نے چلا دیا کہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی ہمارے کانوں میں یہ باتیں پڑیں کہ اسلام ایک کامل مذہب ہے۔ رسول کریم ﷺ خاتم الانبیاء اور افضل الانبیاء ہیں۔ اسلام خدا تعالیٰ کا دین ہے۔ اسلام ہی ایک مذہب ہے جو انسانوں کو خدا تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ قرآن کریم اُس کی آخری کتاب ہے۔ بچپن سے ہی یہ باتیں ماں باپ نے ہمارے کانوں میں ڈالنی شروع کیں۔ پھر ہمیں عقل اور ہوش آئی تو ہم نے دیکھا کہ یہ باتیں درست ہیں۔ دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ماں باپ اولاد کو بعض دفعہ غلط راستہ پر چلا دیتے ہیں اور جب اُسے ہوش آتی ہے تو اسے پتا لگتا ہے کہ جس راستہ پر اُسے اُس کے ماں باپ نے چلایا تھا وہ غلط تھا۔ لیکن ہمیں ہوش آئی تو ہم نے دیکھا کہ ہمارے ماں باپ نے جو کچھ بتایا تھا وہ درست تھا۔ ہمارے ماں باپ نے بتایا تھا کہ قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے۔ ہمیں جب ہوش آئی تو ہم نے دیکھا کہ ان کی یہ بات سچی تھی۔ قرآن کریم فی الواقع کامل کتاب ہے۔ پھر ماں باپ نے ہمیں بتایا تھا کہ رسول کریم ﷺ خاتم الانبیاء اور افضل الانبیاء ہیں۔ جب ہم بڑے ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ واقع میں خاتم الانبیاء اور افضل الانبیاء ہیں، آپ کی شان نہایت اعلیٰ اور برتر ہے۔ پھر ماں باپ نے ہمیں بتایا تھا کہ اسلام خدا تعالیٰ کا دین ہے۔ جب ہم بڑے ہوئے اور ہمیں ہوش اور عقل آئی تو ہم نے دیکھا کہ اسلام واقع میں خدا تعالیٰ کا دین ہے۔ وہ خود اس کی مدد اور نصرت کرتا ہے۔ اس کی تعلیم ایسی ہے جو صرف خدا تعالیٰ ہی دے سکتا ہے، اس کی سب باتیں معقول ہیں۔ پس اول تو یہ راستہ ہمیں بغیر محنت کے ملا۔ ہمیں عیسائیت یا کوئی اَور مذہب ترک کر کے اسلام قبول نہیں کرنا پڑا۔ بلکہ ہم مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گئے اور اس طرح پہلا قدم خدا تعالیٰ نے خود چلا دیا۔ پھر دوسرا فضل خدا تعالیٰ نے یہ کیا کہ جب سوچ اور فکر کے استعمال کا وقت آیا اُس وقت خدا تعالیٰ نے ہم پر یہ ظاہر کر دیا کہ اسلام ایک کامل اور بے عیب مذہب ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اُس کے سچے رسول ہیں اور تمام انبیاء سے افضل اور برتر ہیں۔ گویا پکی پکائی چیز ہمیں مل گئی۔ اور اگر کسی کو پکی پکائی چیز مل جائے اور وہ پھر بھی اُس کے لینے میں غفلت اور سستی کرے تو کتنے افسوس کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب رسول کریم ﷺ کو دنیا میں مبعوث کیا تو ابتدائی لوگوں کو آپ کی باتیں کتنی قربانیوں اور مجاہدات کے بعد

سمجھ میں آئیں۔ آخر آپ پر معاً ایمان لانے والے چار ہی آدمی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت زیدؓ بعد میں کروڑوں اور اربوں لوگ مسلمان ہوئے۔ اور کروڑوں اور اربوں سے چار کی نسبت ہی کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے ایک ماہ مجاہدہ کیا۔ کسی نے دو ماہ مجاہدہ کیا۔ کسی نے چار ماہ مجاہدہ کیا۔ کسی نے ایک سال تک مجاہدہ کیا۔ کسی نے دو سال تک مجاہدہ کیا اور کسی نے دس سال تک مجاہدہ کیا اور پھر اسلام قبول کیا۔ بلکہ ایسے لوگ بھی تھے جو 20,20 سال تک رسول کریم ﷺ کا مقابلہ کرتے رہے اور آپ کی وفات کے قریب ایمان لائے اور ایسے لوگ بھی تھے جو آپ کی وفات کے بعد ایمان لائے۔ ان لوگوں کو اتنے بڑے مجاہدوں کے بعد صداقت ملی۔ مگر ہمیں یہ مجاہدہ نہیں کرنا پڑا۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں ایک مسلمان باپ کی پیٹھ اور ایک مسلمان ماں کے رحم میں ڈالا اور دنیا میں ہمیں لَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ مَحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے والوں کے گھر میں پیدا کر دیا۔ پھر ہماری عقل کامل ہوئی تو اُس نے ہماری راہنمائی فرما دی کہ جو کچھ ماں باپ نے تمہیں بتایا تھا وہ درست تھا۔

پس ہمارے لیے صرف اتنی بات رہ گئی کہ ہم اِس پر عمل کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ باوجود اتنے بڑے فضل کے انسان خدا تعالیٰ کی طرف بھاگنے کی بجائے غیروں کی طرف بھاگتا ہے۔ اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے۔ ہائے! فلاں ہوتا تو میری مدد کرتا۔ اِسی طرح اگر خوشی ہوتی ہے تو وہ غیروں کی طرف جاتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جاتا۔ لیکن ایک سچے مومن کو جب خوشی نصیب ہوتی ہے تو وہ بجائے ہائے اماں! یا ہائے ابا! کہنے کے سجدوں میں گر جاتا ہے اور سب سے پہلی خبر خدا تعالیٰ کو دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ بے شک عالم الغیب ہے۔ لیکن فطرت کہتی ہے کہ تم پہلے خدا تعالیٰ کو یہ خوشی کی خبر بتاؤ اور فوراً سجدہ میں گر جاؤ۔ اگر کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو، اُسے ترقی ملے یا اُسے کوئی اچھا کام کرنے کی توفیق ملے تو وہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ کو بتائے اور اُس کا شکر ادا کرے اسی طرح اسے رنج پہنچے تو وہ فوراً اِنَّالِلّٰـهِ وَاِنَّـآ اِلَیْـهِ رٰجِعُوْنَ کہے۔ یعنی اگر مجھ پر مصیبت آ گئی ہے۔ تو بقول پنجابی بزرگوں کے

ملّا دی دوڑ مسیت تک

میں نے تو خدا تعالیٰ کی طرف ہی جانا ہے۔ یہ طبعی چیز ہے جو ہماری صحت مند فطرت میں پائی جاتی ہے۔

پس تمہیں اپنی صحت اور روحانیت کی درستی کا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر تمہاری صحت درست ، تمہاری روحانیت درست ہے اور تم خوشی اور رنج میں خدا تعالیٰ کی طرف ہی دوڑتے ہو تو خدا تعالیٰ کی قسم! تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور دنیا کی کوئی بہتری نہیں جو تم حاصل نہیں کر سکتے ۔''

(المصلح 9/اپریل 1953ء)

1: سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الحامدین (مفہومًا)